# رُودادِ ابتلا : احمد رائف مصری

## ترجمہ جناب خلیل الحامدی

## (۵)

رات تیزی سے گزر گئی۔ علی الصبح ہم ہشاش بشاش نیند سے بیدار ہوئے۔ وضو کیا اور صف بستہ ہو کر اللہ عزّوجل کے حضور کھڑے ہو گئے۔ لامحدود قوت و طاقت کا احساس ہمیں اپنی آغوش میں لے چکا تھا۔ تعذیب کے خاتمے نے ہمارے دلوں میں اُمیدوں کے نئے چراغ روشن کر دیے تھے۔ نماز ادا کی۔ ہماری یہ نماز اُن نمازوں سے بدرجہا مختلف تھی جو ہم جیل کی دیواروں سے باہر گزارتے رہے ہیں۔ میں یہاں یہ اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ قلعہ کے اندر اپنے مخصوص حالات، اور جو کچھ میں دیکھتا رہا اُس کے اثرات کی وجہ سے ایک فرض نماز بھی ادا نہ کر سکا۔ تازیانۂ تعذیب کبھی منقطع نہ ہوتا تھا۔ دراصل قلعہ کا عالم محشر سے کم نہ تھا۔

اُدھر چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ اور اِدھر ہم مترنم اور شیریں آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ دونوں کی آوازیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ ابوزعبل میں یہ ہماری پہلی صبح تھی۔ اور ابھی تک ہم یہ نہ جان پائے تھے کہ ابوزعبل کے ایام تو قلعہ کے ایام سے زیادہ پُرہول اور رنج افزا ہوں گے۔ ہم یہ بھی نہ جان پائے تھے کہ عنقریب ہم قلعہ پر یہ کہہ کر رحم کی دُعا کریں گے کہ نباشِ ثانی سے نباشِ اوّل ہی بہتر تھا۔ دھوپ نکل آئی۔ ہمارے لیے کھانا لایا گیا۔ کالا شہد جس سے ہم سب نے اپنی اپنی چھوٹی پلیٹ بھر لی۔ ردّی اور ناکارہ پنیر کا ایک ٹکڑا۔ خشک اور ٹھنڈی روٹی جس میں آٹے کے ساتھ کچھ دوسرے نادیدہ مادے بھی شامل تھے۔ بلکہ کچھ حشرات الارض بھی، جن میں سے کچھ کیڑے مکوڑوں کی میں نے شناخت کر لی۔ اور بیشتر شناخت نہ ہو سکے۔

کھانا کھایا اور گپ شپ میں مصروف ہوگئے۔ اُن لمحات تک ہمارا پختہ گمان تھا کہ اب آخر تک یہی سکون واطمینان کی فضا ہمیں نصیب رہے گی۔ ناگاہ ایک فوجی افسر سلاخوں کے ساتھ ساتھ ہمارے پاس سے گزرا۔ اور پھر کھڑا ہو کر ہم سے باتیں کرنے لگا۔ یہ افسر بڑا معقول و متوازن آدمی تھا۔ تشدد و سخت گیری سے آشنا نہ تھا۔ تعذیب دینے میں بھی اس کا حصّہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ ایسے افراد کی ہمارے دل میں انتہائی قدر و منزلت تھی۔ یہ انہی افسروں میں سے ایک تھا جو قلعہ کے اندر میری تفتیش کرتے رہے ہیں۔ بلکہ یہ وہ واحد انسان ہے جس نے زدوکوب اور تعذیب و تشدد کے بغیر میرے ساتھ تفتیشی کارروائی انجام دی۔ لیکن اس کی باری یوں پلک جھپکتے میں گزر گئی گویا وہ کوئی سہانا خواب تھا جو میں نے گرمیوں کی ایک شدید گرم رات میں دیکھا تھا۔ مجھ سے بحث و مباحثہ کرتا رہا، پوچھ گچھ کرتا رہا، بڑے ایچ پیچ سے استفسارات کرتا رہا۔ اُس نے فہم و ذکاء کو استعمال کیا تھا، دست و عصا نہیں استعمال کیے تھے۔ اس افسر نے دروازے ہی سے ہمارے ساتھ کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں کیں۔ اُس کی باتوں سے ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہماری آزمائش کا دَور ختم ہو گیا ہے۔ قلعہ کے اندر ہی جو کچھ گزری بس وہی مصیبت کی گھڑی تھی۔ اب نظر بندی کا کچھ زمانہ درپیش ہوگا جو غالباً زیادہ طویل نہ ہوگا۔ بعض ساتھی تو خوشی سے بلیّوں اچھلنے اور اس خیال میں مگن ہوگئے کہ رہائی کا پروانہ آیا چاہتا ہے۔

ان لوگوں کے اندر ایسے افراد بھی ان بیرکوں میں موجود تھے جو رہائی یا عدم رہائی کے تصورات سے بالا تھے۔ اُن کے پُرعزم چہروں پر پختہ عقیدے کے عمیق نقوش مرتسم ہو چکے تھے۔ ایمان باللہ کا سرورِ سرمدی ہر حالت میں اُن کو امن و سکون اور صدق و صفا کے نشے میں مدہوش رکھتا تھا۔ یہ وہ انسانی گروہ تھا جسے اخوان المسلمون کی تحریک نے امام حسن البناؒ کے دَور میں تیار کیا تھا۔ ان لوگوں میں سے تین کے نام مجھے بخوبی یاد آرہے ہیں۔ خدا جانے وہ اب کہاں ہیں: ایک شیخ حامد الطحان، دوسرے استاذ محمود عبدہ جو ۱۹۴۸ء کے جہاد فلسطین میں اخوان کے دستوں کے ایک کمانڈر رہے ہیں۔ اور تیسرے الحاج عبدالرحمٰن حسب اللہ، جو ان چھ اشخاص میں سے ایک ہیں جنہوں نے ۱۹۲۸ء میں اسماعیلیہ شہر میں اخوان المسلمون کی داغ بیل ڈالی تھی۔ صرف ایک نظر ان لوگوں کو دیکھ لینا اس امر کے لیے کافی تھا کہ انسان کے دل میں اللہ پر اعتماد و یقین کا جذبۂ فراواں اُمڈ آئے، اور ابتلاء و عذاب برداشت کرنے کے لیے اس کے اندر قوت و حوصلہ کا بحرِ بیکراں موجزن ہو جائے۔

دوسری طرف ابوزعبل کے پہلے ہی روز ایسے انسانی نمونے بھی نظر آئے جو عزم وثبات کے لحاظ سے کم تر اور خوف وقلق میں سب سے بڑھ کر تھے۔ ہمارے ساتھ وزارتِ تعلیم کا ایک انسپکٹر تھا، بڑا ڈرپوک، بڑا بزدل اور انتہائی کنجوس۔ اُس نے داروغہ جیل کے پاس پانچ پونڈ کی امانت جمع کرا رکھی تھی۔ چنانچہ بار بار وہ یہ ذکر کرتا رہتا کہ اگر انٹیلی جنس والے اُس کی جان بخشی کردیں تو وہ اپنے پانچ پونڈ انہیں بخشنے کے لیے تیار ہے —— اُسے کیا خبر تھی کہ اِس قضیے کا مقابلہ کرنا اُس کے پانچ پاؤنڈوں کے بس میں نہیں ہے۔

ہم عالم سرخوشی میں بیٹھے اُس پائلٹ کے لطائف سنتے رہے جسے اپنی زندگی میں کبھی ایسے تاریک حالات کا سامنا کرنے کا خیال نہ آتا تھا۔ وہ پائلٹ اصل قضیے سے ناواقفیت کی وجہ سے مضحکہ خیز حرکتیں کرتا رہا اُسے سُن سُن کر سب بے تحاشا ہنستے رہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم اِس تصور میں گم تھے کہ اِس دلکش کیمپ میں ہم یوں رہیں گے گویا چھٹیوں کے خوشگوار دن گزار رہے ہیں۔ مگر چند ساعتیں ہی گزری تھیں کہ پھر ہمارے دل بیٹھنے لگے اور غم واندوہ کے جذبات طاری ہوگئے۔ جیل کے اندر غیرمعمولی ہلچل شروع ہوگئی، دار وگیر کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ لوگ آجا رہے ہیں۔ ایک حوالدار ہمارے پاس آیا جو بڑا ترش رو اور غلیظ القلب تھا۔ اُسے "ملّا" کہتے تھے۔ وہ حاضرین کے نام پوچھنے لگا اور اپنے مبروص ہاتھوں میں اُٹھائے ہوئے کاغذات میں درج کرنے لگا۔ تمام بیرکوں سے گزرا اور نظر بندوں کے نام نوٹ کرتا گیا۔

جیل کے ملازمین قیدیوں کا مخصوص لباس لے کر آگئے۔ اگرچہ یہ لباس استعمال شدہ نہ تھا مگر جوؤں سے بھرا ہوا تھا۔ جس کپڑے سے تیار کیا گیا تھا وہ کپڑا نہیں تھا ٹاٹ بدرنگ تھا۔ بڑا بے ڈھب اور غیرموزوں لباس۔ ہم نے اپنا اپنا جو لباس پہن رکھا تھا حکم دیا گیا کہ اُسے اُتار کر اُن کے سپرد کر دیا جائے۔ ہمیں جو پاجامے ملے وہ کسی صورت بھی جسم پر درست نہ بیٹھ رہے تھے۔ قمیض بھی بڑی متعفن اور بھدی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ انہیں عرصہ طویل تک غلاظت میں بھگو کر رکھا گیا ہے۔ ٹوپی جو ملی وہ بھی انتہائی بدنما۔ ان دنوں گرمی شدید تھی۔ چنانچہ ایک طرف گرمی کی شدت سے دم گھٹا جا رہا تھا اور دوسری طرف اس کھردرے اور بے ڈھب لباس نے جان ضیق میں کردی۔ بلکہ ہمارا پائلٹ ساتھی، جو ہمیں اپنی دلچسپ کہانیاں سُناتا رہتا تھا، "نیا لباس" پہننے کا حکم سُن کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اور خدا کا واسطہ

رو کر کہنے لگا کہ اُس کے پاس اُس کا اپنا لباس ہی رہنے دیا جائے جو وہ لندن سے لے کر آیا ہے۔ مگر حوالدار مُلّا نے اُس سے کہا: "خدا کا شکر ادا کر کہ تجھے زندہ چھوڑ دیا گیا ہے"۔

دروازے کی سلاخوں میں سے ہم نے جھانک کر دیکھا کہ سپاہی لاٹھیوں، بید کی چھڑیوں اور چرمی چابکوں کی بھاری مقدار جیل کے اندر لا رہے ہیں جو پورے بدا عظم کی کھال اُتارنے کے لیے کافی ہے۔ یہ دہشت انگیز انبار وہ جیل کے فرش پر لا کر پھینک رہے ہیں جس کی آواز سُنتے ہی بڑے بڑے سورماؤں کا پتہ پانی ہو جائے۔ ہمارے ایک ساتھی کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمات جاری ہو گئے: "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ" (اے ایمان والو! جب تمہاری دشمن گروہ سے مڈبھیڑ ہو جائے تو کثرت سے اللہ کو یاد کرو۔ شاید تمہیں فلاح نصیب ہو جائے)۔ اس آیت نے حاضرین کے دلوں پر جادو کا اثر کیا۔ پوری بیرک ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن سے گونج اُٹھی۔ اور دلوں کے اندر طمانیت و سرمستی کی لہر موجزن ہو گئی۔

اسی اثنا میں ایک گرجدار آواز بلند ہوئی جس نے جیل کی دیواروں کو ہلا کر رکھ دیا۔ میں نے دیکھا کہ بیرک کے تمام لوگ میری طرف دیکھ رہے ہیں۔ دراصل باہر مجھے آواز دی جا رہی تھی۔ یکایک مجھ پر خوف طاری ہو گیا۔ اس آواز کا ایک خاص مفہوم ہوتا ہے جسے وہی سمجھ سکتا ہے جو کبھی اس جگہ آیا ہو—— اب تک ہم نے آرام کی جو گھڑیاں گزاری ہیں وہ خواب تھیں، سراب تھیں۔ لقد جاءت الصاخۃ وما ادراك ما الصاخۃ (بلند ہوئی چنگھاڑ، اور تو کیا جانے کہ کیا ہے یہ چنگھاڑ)۔ ہم دوبارہ غم میں ڈوب گئے۔ خدا جانے کب یہ آزمائش ٹلے گی۔ کب آئے گی کشادگی اے خدائے دیگر!

بیرک کے بوڑھے ساتھی میرے قریب آ گئے اور مجھے کان میں قرآن کریم کی آیات سنانے لگے۔ میں دروازے کی جانب بڑھا تاکہ دُور سے پکارنے والے کو میں نظر آ جاؤں۔ مجھے دیکھ کر وہ فوراً میرے سامنے آ گیا۔ اُس کے ہاتھ میں کنجی تھی۔ اس نے بیرک کا دروازہ کھولا اور مجھے وہاں سے باہر لے گیا۔ اُس نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور اندھے کی طرح وہ مجھے ننگے پاؤں لے چلا۔ پٹی بڑی کس کر باندھی گئی تھی اس لیے مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ مجھے کبھی اُوپر چڑھاتا اور کبھی نیچے اُتارتا۔ پھر مجھے ایک ایسی زمین میں لے گیا جہاں خشک گھاس اور کانٹے تھے۔ میں نے اندازہ کیا کہ وہ مجھے جیل کے باہر کسی اور جگہ لے آیا ہے۔

ایک خوفناک آواز پر میں چونکا۔ اس آواز کو میں خوب پہچانتا تھا۔ یہ میجر ف۔ ع کی آواز تھی۔ اس شخص نے قلعہ کے اندر بھی دوران تفتیش مجھ پر قیامت ڈھائی تھی۔ میجر ف۔ ع نے بڑے متکبرانہ اور پریشان کن انداز کے ساتھ مجھے کہا:

آگئے ہو؟

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔

تمہاری قسمت بہت کھوٹی ہے۔

میں نے دبی آواز میں کہا: کیوں؟

کیا فی الواقع تم نہیں جانتے کہ تمہاری قسمت کیوں کھوٹی ہو رہی ہے؟

اس کے بعد اس نے پے درپے گندی اور فحش گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ اور پیشتر اس کے کہ میں کوئی جواب دیتا مجھ پر لکڑ کوبی کی بارش ہونے لگی۔ چند لمحات بعد مجھے کسی جگہ اُلٹا لٹکا دیا گیا۔ میرے ارد گرد تاریکی ہی تاریکی تھی جو آنکھوں پر پٹی بندھ جانے کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ ڈنڈے کی چوٹیں مخصوص اور متواتر انداز میں میرے پیروں پر لگ رہی تھیں۔ اور میں ایسے کرب میں مبتلا ہو گیا کہ اس کے سامنے موت آسان نظر آتی تھی۔ میں سخت گھبرا گیا۔ میں نے بار بار درخواست کی کہ آخر میں مسلمان ہوں اور تمہارے جیسا ایک مصری باشندہ ہوں۔ لیکن اس کا اصرار تھا کہ میں کچھ کہوں۔ مصیبت یہ ہے کہ نہ وہ جانتا تھا اور نہ میں کہ کیا کہوں اور کس راز سے پردہ اٹھاؤں ——— یہ تعذیب کا ایک دَور تھا۔ اور بھی کئی دَور آئے۔ جب بھی مجھے تعذیب کے لیے جانا ہوتا میں دل میں عہد کرتا کہ چیخ پکار نہیں کروں گا اور نہ زبان پہ کوئی حرفِ شکایت لاؤں گا۔ مگر ہر بار میں یہ عہد نبھانے میں ناکام رہا ——— جی ہاں، ہر مرتبہ اس میں ناکامی ہوئی۔ یہ تعذیب انسانی مخلوق کی برداشت سے باہر تھی۔ یا کم از کم میری برداشت سے بالا تھی۔

زدوکوب کی پہلی "گرم گرم خوراک" لینے کے بعد میرے تمام جوڑ بند کھل گئے۔ اور میں نیم جاں ہو گیا۔ انہوں نے میری رسیاں کھول دیں اور ٹکٹکی سے نیچے اُتار دیا۔ اور پھر مجھے ڈنڈے کی مار کے ساتھ یہ حکم دیا کہ میں پاؤں کے بل چھلانگیں لگاؤں تاکہ پاؤں میں ورم نہ پیدا ہو، اور پیپ نہ بھر جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ مشورہ رحمدلی کی بنا پر نہیں تھا۔ بلکہ اس بنا پر تھا کہ اگلے دَور تعذیب کے لیے جب مجھے طلب کیا جائے تو مجھ میں اُسے برداشت کرنے کی کچھ ہمت ہو۔

(باقی)